لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

ڈاکٹر محمد اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیمیافتہ لوگ دونوں طبقے علومِ اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی اِستیلاء کا اندیشہ ہے جس کا سدِ باب ضروری ہے۔

میرا ایک مدت سے،

یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب کہ اسلامی ہند کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو"

(مفصل مضمون ص[illegible] پر)

Regd. No. LW/NP 56

Phone :- 22948 / 25747

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

A few English works of Maulana Abul Hasan Ali Nadwi.

Islam and the World : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi. translated by Dr. M. Asif Kidwai, pp. 210, price Rs. 18/-*

"ISLAM AND THE WORLD belongs to the small class of thoughtful and thought provoking books which inquires into the factors responsible for the rise and decline of Muslims, studies the impact of Islam on the world and intelligently discusses the role of Islam in the world of today and tomorrow. Maulana Nadwi's book provides a rational and historical refutation of the charge often made from several quarters that it is Islam which is responsible for the present backwardness of the Muslims."

ISLAMIC REVIEW
London, November-December, 1961

Western Civilization—Islam and Muslims : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Dr. M. Asif Kidwai, pp. 199, price. Rs. 22/- :*

"This book is a whiff of fresh air in the midst of communal madness all round .... It will be serving a great purpose if it can make the Muslim countries, especially the Indian Muslims to some furious thinking in order to extricate themselves from the malaise in which they have been pushed by their static policies and programmes."

THE HINDUSTAN TIMES
Delhi, December 21, 1969

Muslims in India : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Dr. M. Asif Kidwai, pp. 155, price Rs. 7.00 :*

"After Hunter's MUSALMANS OF INDIA this book may be said to be most useful publication on the subject......

The author "gives a detailed exposition of the achievements of the Muslim scholars in our country and their contribution to the freedom struggle. He demonstrates clearly that in contributing to the classical literature of Arabic and Persian, the Indian Muslims have tc their credit a unique achievement, unique in the annals of world literature. By emphasising this aspect the Maulana has given a fitting answer to those historians who consider the period of Islamic domination as a dark age in the history of this sub-continent."

THE STATESMAN
Delhi, December 22, 1963

Religion and Civilization : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Mohiuddin Ahmad, pp. 120, price Rs. 8/-. :*

"This brief but incisive work comprises the lectures delivered some years ago at the Jamia Millia, Delhi, and deals with the essential questions of eschatology, cosmology and the resultant socio-ethical order. Like Sorokin, he classifies cultures into sensate and idealistic but unlike him develops his own formulation of the revelatory culture, articulated par excellence, in the Islamic faith and culture.......One gets from this book a broad and overall view of the socio ethical order based on revealed guidance."

IMPACT INTERNATIONAL
London, May 16, 1971

Saviours of Islamic Spirit : *Vol. I, by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Mohiuddin Ahmad, pp. 434, price Rs. 28/- : Vol. II, Price Rs. 35.*

"Syed Abul Hasan Ali Nadwi has rendered a great service not only to Muslim readers but also to the non-Muslims by placing before them the saintly and devout lives of some of the most eminent men not only of Islam but of the world .... One wishes more books like this will come out so as to bring out those aspects of Islam which are not as well known as they ought to be."

NATIONAL HERALD
Lucknow and Delhi. 9th July 1972

The Four Pillars of Islam : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Dr. M. Asif Kidwai, pp. 298, price Rs. . 22/-:*

"The book deals with the four fundamental duties, *Salat*, *Saum*, *Zakat* and *Haj* and, along with these, their logical advantages and significance and similarities and differences with the modes of worship in other religious communities. It has, thus, at once become a treatise on jurisprudence, scholastic theology and religious teachings and principles."

SIDQ-I-JADID
July 26, 1968

The Musalman : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Mohiuddin Ahmad, pp. 120, price Rs. 10/-:*

"Designed to present a true picture of the Indian Muslims before the non-Muslims, the book succeeds in portraying their social customs and manners, religious observances and feasts and festivals without either magnifying or concealing any facet of their life. A book which ought to be translated in every Indian language."

SIDQ-I-JADID
Lucknow, July 21, 1972

Faith versus Materialism : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Mohiuddin Ahmad, pp. 114, price Rs. 10/-.*

"This is a commentary of *Surah Kahf* (The Cave) which occupies a unique place in the Quran ....In delineating the hidden traits and characteristics of Dajjal the author has brought to light the trickery and swaggering deception of the present-day God-less materialistic civilization. Through his lucid exposition of the message contained in this chapter of the Quran, the author has shown how its teachings can be efficacious in achieving deliverance from these evils.

ISLAM AUR ASR JADID
Delhi, July, 1972

Qadianism : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Zafar Ishaq Ansari, M. A., pp. 152, price Rs. 13/-:*

"A critical study of the Qadiani Movement in the light of historical research. The book has gone a long way in correcting many misconceptions and errors lending force to the Movement."

New Menace and its Answer : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, pp. 24, price Re. 1.50.*

Glory of Iqbal : *by S. Abul Hasan Ali Nadwi, translated by Dr. M. Asif Kidwai, pp. 228, price Rs. 18/-*

Nadwa Book Depot P.B. 93 Lucknow_7

تعلیم القرآن

اللہ پر ایمان: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ (نساء۔۲۰)

(اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو ایمان لاؤ اللہ پر۔

ہم دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے گھر، ملتی پھرتی گاڑیاں، ریل اور موٹر، قسم قسم کے کپڑے، بڑی اور چھوٹی مشینیں اور ان سب کے سوا بہت چیزیں نظر آتی ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ چیزیں خود ہی نہیں بن گئی ہیں، بلکہ کسی بنانے والے نے ان کو ضرور بنایا ہوگا۔ اسی طرح ساری دنیا پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ معمولی چیزیں کسی کے بنائے بغیر نہیں بن گئیں تو یہ زمین، آسمان، پہاڑ، چاند، سورج، ستارے، سبز سبز گھاس، رنگ رنگ کے پھول، طرح طرح کے جانور، بہتے ہوئے دریا اور سمندر، کیا کسی بنانے والے کے بغیر بن گئے؟ خود اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے یہ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان، اس خوبصورتی اور ترتیب کے ساتھ کیا خود ہی پیدا ہوگئے۔

جاڑے، گرمی اور برسات کا اپنے اپنے وقت سے آنا اور جانا، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا نکلنا کیا کسی قاعدہ اور انتظام کے بغیر ہے؟

ہم مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ جس نے دنیا کے پورے کارخانے کو بنایا اور خاص ترتیب سے چلایا وہی ہمارا اللہ ہے، مسلمان ہونے کے لئے پہلی اور ضروری بات یہی ہے کہ ہم اس خدا کو مانیں!

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ	وہ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا یہ زبردست جاننے والے خدا کا باندھا ہوا ہے۔
صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ	یہ خدا کی کارگزاری ہے جس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا۔
ہمارا یہ خدا کیسا ہے، سنو!	
ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ	وہ زندہ سب کا کام پورا کرنے والا ہے، اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند!
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ	وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے
ھُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ	وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔!
لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	زمین اور آسمان کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں
وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا	جتنے ہیں زمین پر کوئی چوپایہ مگر اللہ پر ہے اس کا رزق
لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ	وہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا ہے۔
لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ	وہ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔
لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ	نیکی کرنے والوں کی محنت ٹھکانے لگاتا ہے!

یہ خدا ایک ہے، اکیلا ہے اس جیسا دوسرا کوئی نہیں!

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (انبیاء)	اگر زمین اور آسمان میں ایک خدا کے سوا خدا اور بھی ہوتے تو زمین اور آسمان برباد ہو جاتے۔

بربادی اس طرح ہوتی جیسے ایک کہتا پانی برسے، دوسرا چاہتا کہ دھوپ نکلے، ایک کسی کو زندہ رکھتا دوسرا اس کو مارتا، نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ سب بنا بنایا کارخانہ خاک میں مل جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے!

جو لوگ اس خدا کو چھوڑ کر، دوسروں کو پوجتے ہیں، مٹی، اینٹ، پتھر، لکڑی، درخت، دریا اور جانور کو خدا بناتے ہیں، ان میں خدا کی کوئی شان نہیں ہے، نہ وہ کسی کو مار سکتے ہیں اور نہ زندہ کر سکتے ہیں، نہ کسی بیمار کو تندرست کر سکتے ہیں، نہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں، یہ تو ہمارے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں!

لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ۔ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۔ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ۔	دوسرے ان کو بناتے ہیں وہ خود کچھ نہیں بنا سکتے، نہ کسی کو مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ اگر مکھی ان کی کوئی چیز چھین لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے!

مشکوٰۃ نبوت

ایمان وعمل

(ذیل میں نبی کریمؐ روحی فداہ کی وہ احادیث درج ہوتی ہیں جن کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ ایمان وعمل اور .... آداب واخلاق سے ہے۔ اسلام وایمان، عمل اور اخلاق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک دوسرے سے وابستہ ومربوط، لازم وملزوم کا سا رشتہ انہی پر شریعت بیضا کی اساس ہے، انہی کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ بغیر ایمان یعنی درستی عقیدہ کے نیکی برباد اعمال ضائع کہ قوت عملیہ کی تکمیل قوت نظریہ پر موقوف ہے۔ قریب قریب اسی طرح قوت نظریہ کی آبیاری قوت عملیہ سے ہوتی ہے۔ بغیر عمل واخلاص فی العمل، ایمان بیمار وناتواں سا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، وہ جو ایمان لائے ہیں، انھیں چاہیے پوری طرح اللہ کی فرماں برداری میں داخل ہو جائیں (قرآن) یعنی یہ نہیں کہ بعض باتیں مان لیں بعض نہ مانیں۔ عقیدہ صحیح ہے لیکن اس پر عملدرآمد نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل — دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان وعمل کے لئے اخلاص (حسن نیت) بمنزلہ روح کے ہے اور یہی اخلاص فی العمل ہے جسے قرآن نے عمل صالح فرمایا ہے۔ بکثرت ارشاد ہوتا ہے اٰمنوا وعملوا الصالحات۔ اٰمنوا وعملوا الصالحات — ایک بزرگ کا ملفوظ ہے۔ اسلام ظاہر توحید (اقرار باللسان) ایمان باطن توحید (تصدیق بالقلب) اور عمل صالح حقیقت توحید ہے۔ پس اسلام کی صحت ایمان اور ایمان کی صحت پرہیزگاری ہے)۔ (تذکرہ غوثیہ)

- ★ ایمان کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔
- ★ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔
- ★ خدا تمہارے ساتھ جسموں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور کاموں (کے خلوص) کو دیکھتا ہے۔
- ★ تم سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے لئے بھی وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
- ★ بہتر ایمانی حالت یہ ہے کہ تمہاری دوستی دشمنی سب اللہ کے لئے ہو۔
- ★ (اللہ کو ماننے کے بعد) بہترین دانائی، لوگوں سے محبت کرنا ہے۔
- ★ کوئی ایسی چیز راستہ میں گری پڑی دیکھو جو بندگان خدا کے لئے تکلیف دہ ہے تو اسے وہاں سے ہٹا دو یہ بھی ایمان کی علامت ہے۔
- ★ اللہ کی مخلوق سے صرف اللہ کے لئے محبت کرو۔
- ★ دین، نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے۔
- ★ اہل ایمان سے متعلق اچھے خیالات رکھو۔
- ★ اہل ایمان کے خیالات (گمان) نیک ہوتے ہیں۔
- ★ جب تمہیں کسی نیکی سے خوشی ہو اور گناہ ہو جانے سے تکلیف، تو یہ تمہارے ایمان کی علامت ہے۔
- ★ لوگوں سے شگفتہ خاطری سے ملنا، انھیں اچھی بات بتانا، بُری باتوں سے روکنا، بھولے بھٹکوں کو راہ پر لگا دینا، راستہ سے کانٹا یا پتھر ہٹا دینا، یہ سب کام اجر وثواب میں صدقہ وخیرات جیسے ہیں۔
- ★ جسے نہیں جانتے اسے بھی سلام کرنا، غریبوں کو کھانا کھلانا، یہ اسلام کی بڑی عمدہ خصلتیں ہیں۔
- ★ کسی مسلمان کو روا نہیں کہ وہ کسی طبعی ناگواری کی بنا پر تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ ملاقات ہو تو ایک دوسرے سے منھ پھیرلے۔ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں سبقت کرے۔
- ★ مسلمان کے مسلمان پر چار حق ہیں، سلام کا جواب۔ بیماری میں عیادت۔ جنازے کی مشایعت۔ دعوت کو قبول کرنا۔

تعمیر حیات
پندرہ روزہ
دارالعلوم ندوۃ العلماء

۲۵ اپریل ۱۹۷۶ء ——— ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ
جلد نمبر ۱۳ ——— شمارہ نمبر ۱۲

زر اشتراک اندرون ہند مع محصول ڈاک

سالانہ: ۱۲ روپے	ششماہی: ۷ روپے	فی پرچہ: ۶۰ پیسے

بیرون ہند مع محصول ڈاک

بحری ڈاک سے:	ایک پاؤنڈ ۶ شلنگ
ہوائی ڈاک سے امریکہ وکناڈا اور یورپی ممالک:	۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک:	۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے	بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اس دائرے کا سرخ نشان ضروری اطلاع ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے— "تعمیر حیات" آپ اور آپ کے حلقۂ تعلق کی ایک اہم ضرورت ہے— لہذا اولین فرصت میں آئندہ سال کے لئے زر اشتراک بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا پرچہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ پندرہ دن میں زر اشتراک یا مانعت کی اطلاع نہ آنے کی صورت میں پرچہ وی۔پی سے روانہ کیا جائے گا جس کی وصولیابی آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ وی۔پی کے زائد مصارف خریدار کے ذمہ ہونگے۔ براہ کرم خط وکتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا مکمل پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

اس شمارے میں

تعلیم القرآن، مشکوٰۃ نبوت، اداریہ، اقبال کی صحیح فکر، وہ جو بیچتے تھے دوائے دل... ہمارا افلاطون، سی۔آئی۔اے کی تخریب کاریاں، مسلمان اور قرآن، محسن انسانیت نے فرمایا، مولانا ابو الکلام آزاد۔ فن اور شخصیت، ایک عظیم داعی وغیرہ

پرنٹر، پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے جے۔کے آفسٹ پرنٹنگ پریس دہلی سے طبع کراکر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ پوسٹ بکس ۹۳، لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین بستوی ندوی

قابل توجہ!

"تعمیر حیات" کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں۔ اس لئے اہل استطاعت حضرات سے پُرزور گزارش ہے کہ حوصلہ مندی سے عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر واشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں، ان حضرات کی خدمت میں "تعمیر حیات" برابر ارسال کیا جائے گا۔

معاونین خصوصی ولائف ممبر: -/500 ——— معاونین: -/250

تعمیر حیات

(اسحاق جلیس ندوی)

فاصلے گھٹ رہے ہیں

عصر جدید تمدن، ایجادات اور انکشافات میں اپنی انسانی تاریخ میں ایک خصوصی مقام اور امتیاز رکھتا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کے اس دور میں انسان بر و بحار کی تسخیر سے آگے بڑھ کر کائنات کے مخفی اسرار کو منکشف کرنے کی تگ ودو میں شب و روز مصروف ہے۔ وہ خلاء میں پلیٹ فارم بنا رہا ہے، چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے، مریخ کی طرف سرگرم سفر ہے، سمندر کی تہ میں اور آسمان کی وسعتوں میں وہ اپنا نشیمن بنانے میں مصروف ہے۔

اس نے گزشتہ دو تین صدیوں میں نہ صرف نئے نئے ممالک، انجانی آبادیاں اور قومیں دریافت کی ہیں بلکہ ان براعظم کا سراغ بھی لگا لیا ہے۔ جو مستور اور غیر معروف تھے۔ دور دراز کی مسافت جس کو طے کرنے میں اس کے پیشرو انسان کو مہینوں لگ جاتے تھے وہ گھنٹوں میں طے کر رہا ہے۔ پوری دنیا کی سیاحت آج کے انسان کے لئے کوئی ناقابل حل اور ناقابل عمل کارنامہ نہیں رہا۔ بلکہ وہ اپنے ذوق سفر کی تسکین کے لئے اس کرۂ ارضی کے علاوہ دوسرے سیاروں تک رسائی کے لئے مستعد وتیار ہے۔ عصر جدید کے تمدن نے اور برق رفتار وسائل سفر نے پوری دنیا کو گھر آنگن بنا رہا ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک جس آسانی سے آج پہونچا جا سکتا ہے اس کا تصور تک چند صدیوں پہلے ممکن نہیں تھا۔ ہمارے ملک میں روزانہ سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں غیر ملکی سیاح، مختلف حکومتوں کے سربراہ اور عہدیدار، تاجر اور علماء علمی، ثقافتی اور تجارتی وفود کی آمد ورفت جاری رہتی ہے۔

اس ماہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں الجزائر کے دو ادیب اور صحافی اور روس کے ایک ڈیلیگیٹ تشریف لائے ان سے باہمی دلچسپی کی گفتگو رہی اور اس تبادلۂ خیال سے بہت سے مفید پہلو سامنے آئے۔ ایک دوسرے کے جذبات اور اپنے اپنے ملک میں کی جانے والی علمی، دینی، تعلیمی اور ثقافتی خدمات اور طریقۂ کار کا علم ہوا۔

۱۸ اپریل کی صبح نے تو اجلاس ندوۃ العلماء کی ہلکی سی جھلک پیش کر دی۔ اس دن مملکت کویت کے سفیر برائے ہند ہز ایکسلنسی جناب عبدالرحمٰن العتیقی کی قیادت میں سوڈان، یمن، جنوبی یمن، لیبیا، زامبیا، سینیگال، شام، متحدہ عرب امارات، فلپائن، گھانا ان دس ممالک کے سفراء ندوہ تشریف لائے۔ رنگ ونسل اور لباس ومعاشرت کی رنگارنگی کا یہ ایک عجیب منظر تھا۔ کتب خانہ ندوۃ العلماء کے وسیع اور شاندار ہال میں ندوۃ العلماء کے ارکین انتظامیہ، ممبران، اساتذہ اور طلباء نے ان کا خیر مقدم کیا۔ مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی نے عربی میں خیر مقدمی تقریر کی جس میں انہوں نے ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد اور خدمات کا معزز مہمانوں سے تعارف کرایا۔ اس کا انگریزی ترجمہ جناب مسٹر عبدالسمیع صاحب صدیقی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کیا۔ اس خیر مقدم کا جواب مہمان سفراء کی طرف سے ان کے لیڈر کویت کے سفیر صاحب نے بہت اچھے انداز میں دیا۔ انہوں نے اس موقع پر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی سے شرف ملاقات سے اپنی محرومی پر افسوس کا اظہار کیا۔ (مولانا مدظلہٗ ان دنوں مدینہ منورہ میں ہیں اور بعض مصالح اور سوانح کی وجہ سے موصوف نے اپنے لندن کا سفر اور وہاں کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں شرکت کا پروگرام کو ملتوی کر دیا ہے۔)

مہمانوں نے کتب خانہ ندوہ، علمی نمائش، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء کے دیگر شعبوں کا معائنہ کیا اور ندوہ میں آکر اس کی ظاہری وسعت ودلکشی اور عمیق ونتیجہ خیز دینی وعلمی خدمات پر اپنے خوشگوار تاثر کا اظہار فرمایا۔

ندوہ کی تاریخ میں ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کی تاریخ ناقابل فراموش ہے جب دس ایک وقت گیارہ ممالک کے معزز سفراء یہاں تشریف لائے، افریقہ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید کے دور دراز ممالک کے معزز نمائندو کا حسین سیاہ، گندمی، زرد رنگ کا سنگم لئے ہوئے—

لندن سے ایک تازہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ عرب سیاحوں کی جنت "بیروت" (لبنان) جب سے خانہ جنگی میں مبتلا ہے عرب ممالک کے سیاح ہزاروں کی تعداد میں لندن اور یورپ کے مختلف شہروں کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ لندن کی سڑکوں پر عرب اطفال، سیاح اس کثرت سے دکھائی دے رہے ہیں جو پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ یہ عرب سیاح کروڑوں ڈالر اور پونڈ اس خوبصورت عیاشی کے [illegible] خرچ کرنے کو پامال و تباہ کر رہے ہیں کوئی ان کا پرسان حال نہیں رکھتا ہے

"کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا"

[illegible]

اقبالؒ جو کچھ تھے انہیں اس سے مختلف ثابت کرنا علمی بددیانتی ہوگی

کیپٹن محمد حامد

"اقبال رجعت پسند تھا، اقبال ملائیت کا علمبردار تھا اور اسی نوع کے دوسرے فقرے بعض دانشوروں کے بیان سننے میں آتے ہیں۔ اقبال کے خطوط کے مطالعے سے پہلے میرا خیال تھا کہ شاید یہ دانشور اقبال کو پوری طرح سمجھ نہیں پائے ورنہ اقبال تو بڑا روشن خیال واقع ہوا ہے۔ لیکن خطوط نے مجھے نئے انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اقبال کے خطوط میں یہ فقرہ پڑھ کر میں چونکا

"مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔"

(بنام مولانا سید سلیمان ندویؒ)

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام اقبال نے بے شمار خطوط لکھے ہیں اور ان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال "ملا" تھے۔ اب چاہے آپ اسے اقبال کی تعریف سمجھیں یا کچھ اور۔ آپ اقبال سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اقبال جو کچھ تھے انہیں اس سے مختلف ثابت کرنا علمی بددیانتی ہوگی۔

اقبال کے خطوط سے ہمیں ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبال نے خطوط بغرض اشاعت نہیں لکھے تھے۔ ان خطوط میں ایک متوازن، علم دوست، نہایت حساس اور اسلام کے بارے میں شدید تڑپ کا اظہار کرنے والی شخصیت کا سراغ ملتا ہے۔

وہ سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اسی وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ فرانسیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

"دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹرشپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزع میں ہے۔ غرضکہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔ اس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے۔"

یہ دو مختلف خطوط کے اقتباسات ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں اسلام سے دوری پر کس درجہ بے چین تھے۔ یورپ کی تقلید کرنے والے نوجوانوں کو دیکھ کر انہیں بے حد دکھ ہوتا تھا۔ پھر وہ اس بات پر یوں بھی مضطرب تھے کہ وہ مغربی تہذیب کو پوری دنیا کی اخلاقی نشوونما کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ تمدن مسلم ممالک کو اخلاقی اعتبار سے کھوکھلا کر دینے کے علاوہ سب دینے کے قابل نہیں۔ اسلام عصر حاضر کے مسائل کو کس طرح سلجھا سکتا ہے اس بارے میں ان کا تجسس قابل توجہ ہے۔ وہ مولانا ندویؒ سے علمی رہنمائی کے طالب نظر آتے ہیں۔ عالم اسلام کی علمی قیادت کے لئے وہ برصغیر کے مسلمانوں سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مولانا ندویؒ کے نام ایک اور خط میں یوں رقمطراز ہیں۔

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اسی بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی استیلا کا اندیشہ ہے جس کا سد باب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو۔"

جہاں اقبال ندوہ کو علمی راہنمائی کا کام انجام دیتا دیکھنا چاہتے تھے وہاں وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ علی گڑھ میں مغربی علوم کے باوجود مسلمان طلبہ کے دلوں میں اسلام کے لئے ایک ولولہ موجود ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ علما وہاں جاکر طلبہ کو اسلام کے بارے میں بتائیں۔ اپنے ایک خط میں وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کو لکھتے ہیں:-

"آپ کبھی کبھی علی گڑھ جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگو کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں مسلمان نوجوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو۔"

اقبال نے محض لکھنے کی حد تک کام نہیں کیا بلکہ عملی طور پر ایک علمی اور اسلامی مرکز کے قیام کے لئے کوشش بھی کی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں دارالاسلام (پٹھان کوٹ) کا قیام عمل میں آیا۔ چودھری نیاز علی خاں صاحب نے جو پنجاب میں خوشحال زمیندار تھے اور اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے اس مقصد کے لئے اپنی زمین وقف کر دی تھی۔ ان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"اسلام کے لئے اس ملک میں نازک زمانہ آ رہا ہے جن لوگوں کو کچھ احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔ انشاءاللہ آپ کا ادارہ اس مقصد کو باحسن وجوہ پورا کرے گا۔ علما میں مداہنت آ گئی ہے۔ یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیا، اسلام سے بے پروا اور حکام کے تصرف میں ہیں۔ اخبار نویس اور آج کل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت اور عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں۔ عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض راہنما نہیں ہے۔"

اس ادارے کو اقبال نے باہر کی دنیا میں بھی متعارف کروایا۔ اسی ادارے کے بارے میں علامہ مصطفےٰ المراغی شیخ الازہر کو لکھتے ہیں:-

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ اپنی زندگیاں دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہم ان کے لئے تہذیب حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں جو کہ ان کے لئے ایک علمی اسلامی مرکز ہوگا اور ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم

ڈاکٹر اقبالؒ کی وفات پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے تاثرات

"وہ ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہو گئی۔ ایسا عارف فلسفی، عاشق رسولؐ شاعر، فلسفۂ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو۔ اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا، اس کے جان حزیں کی ہر آواز زبور عجم، اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا پر پرواز بال جبریل تھا۔ اس کی فانی عمر گو ختم ہو گئی لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاءاللہ باقی رہے گا۔ امید ہے کہ ملت کا یہ غمخوار شاعر اب عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا اور قبول و مغفرت کے پھول اس پر برسائے جا رہے ہوں گے۔

کہنے کو تو ہم میں ملت کے غمخواروں کی کمی نہیں اور نہ امت کے دوستداروں کی قلت، مگر واقعہ یہ ہے کہ نئی تعلیم نے اپنے ساٹھ ستر برس کے طویل عرصہ میں دو ہی سچے مسلمان غمخوار پیدا کئے، ایک محمد علی مرحوم اور دوسرا اقبال مرحوم، دونوں مرحوموں پر خدا کی بڑی رحمت ہو، ان کے دلوں میں اسلام کا حقیقی سوز تھا، اور رسول صلعم کے ساتھ سچا عشق، نئے زمانہ کی جھوٹی آب و تاب اور نئے تمدن کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ تھیں، آفتاب اسلام کی ضیا باری کے مقابلے میں ان کے سامنے جدید تہذیب و تمدن اور زمانہ حال کی تجددات کی نئی روشنی مہ نخشب کے مصنوعی نور سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی، خدا ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔

اقبالؒ! ہندوستان کا فخر، اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال، فضل و کمال کا پیکر اقبال، حکمت و معرفت کا دانا اقبال، کاروان ملت کا رہنما اقبال، رخصت! رخصت!! الوداع! الوداع!!"

کی نئی اور پرانی کتاب موجود ہو اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو، اور قرآن حکیم میں بصیرت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دور حاضرہ سے بھی واقف ہو مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور فکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدن اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔"

یہ کیا وجہ تھی کہ اقبال اسلام کے بارے میں تحقیق اور اسلامی فکر کے مطابق موجودہ علوم و فنون کو ڈھالنے کے لئے ایک مرکز کا قیام چاہتے تھے۔ اقبال اس موضوع پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال تحقیق کے میدان میں یورپی مستشرقین اور اساتذہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے اور کن وجوہات سے وہ اسلامی مرکز قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ حافظ فضل الرحمٰن انصاری صاحب کے نام ایک خط میں جو کہ انہوں نے یورپ میں اسلام پر تحقیق کرنے کے بارے میں لکھا تھا یوں جواب دیتے ہیں:-

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلاتامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کیا، وہ مسلمانوں کی سیاسی حالت پر بے چین تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں اسلام نے اہم کردار انجام دیا ہے اور جب بھی کبھی مشکل وقت آیا ہے تو اسلام ہی نے مسلمانوں کو بچایا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کچھ لوگ مسلمانوں کو سیاسی طور پر اس لئے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ مادی اعتبار سے ترقی یافتہ ہو سکیں۔ اقبال اس نوع کی سیاسی آزادی کے خواہاں نہ تھے جس سے مسلمانوں کی تمدنی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب نہ ہوں اور اسلام کی حفاظت نہ ہو سکے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظت اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ بات میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیات حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد۔ ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یا کم از کم یہ بھی شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔"

(میر سید غلام بھیک کے نام ایک خط)

اسلام کی تبلیغ اور اسلامی اصولوں کی نشر و اشاعت کا کام اقبال کے نزدیک سب سے اہم تھا اور وہ اسے اخروی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ میر سید غلام بھیک کے علاوہ بھی انہوں نے بے شمار لوگوں کو خطوط لکھے اور ان سب خطوط میں اس بات پر خاصا زور نظر آتا ہے۔ وہ سید غلام میران شاہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوت، ہمت، اثر و رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائق اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔ اس تاریک زمانے میں حضور رسالتمآب صلعم کے دین کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے۔"

حضور اکرمؐ کی ذات سے انہیں جو گہرا عشق تھا اس کی جھلکیاں ان کے سارے کلام پر محیط ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے انہیں جس حد تک عشق تھا سید غلام میران شاہ کے نام ہی ایک دوسرے مکتوب میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:-

"میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضورؐ کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں تاہم حضورؐ کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے: الطالح لی۔ یعنی گنہگار میرے لئے۔ امید ہے آپ اس دربار میں پہونچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے۔"

ان ہی کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

"میں آپ کے وجود کو غنیمت تصور کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ کا اخلاص اور وہ محبت جو آپ کو حضورؐ رسالتمآب سے ہے آپ کے خاندان پر بہت سی برکات کے نزول کا باعث ہوگی۔"

انہیں روضۂ رسولؐ کی زیارت کا بے حد شوق تھا ان ہی کو ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"حج بیت اللہ کی آرزو تو گذشتہ دو تین برس سے میرے دل میں ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے استطاعت عطا فرمائے تو مزید برکت کا باعث ہو۔ چند روز ہوئے سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدرآباد کا خط مجھ کو دعوت سے آیا تھا جس میں وہ لکھتے تھے کہ حج بیت اللہ اگر تمہاری معیت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔"

(بنام سید غلام میران شاہ)

وفات سے ایک سال پہلے بھی ان کے دل میں یہ خواہش موجزن تھی۔ سر راس مسعود کے نام جو کہ ان کے جگری دوست تھے لکھتے ہیں:-

"امسال دربار حضورؐ میں حاضری کا قصد تھا مگر بعض موانع پیش آ گئے۔ انشاءاللہ امید ہے کہ سال (آئندہ) حج بھی کروں گا اور دربار رسالت میں بھی حاضری دوں گا اور وہاں سے ایک ایسا تحفہ لاؤں گا کہ مسلمانان ہند یاد رکھیں گے۔"

(۱۵ جنوری ۱۹۳۷ء)

"چراغ سحری ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن حکیم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں۔ جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے اسے اسی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن آپ کے جد امجد (حضور نبی اکرمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضورؐ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجا لا سکا۔"

حضور اکرمؐ سے محبت ان کی شخصیت میں کس طرح رچی بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ ان کے ایک خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے الیاس برنی کے نام لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"۳ اپریل کی رات تین بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سر سید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو؟ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا حضور رسالتمآب میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر جو اب طویل ہو گئی ہے میری زبان پر جاری ہو گئے۔ انشاءاللہ ایک مثنوی فارسی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہوگی۔ ۴ اپریل کی صبح سے میری آواز میں تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف ہے اور اس میں وہ رنگ (RING) عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عشق رسولؐ ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور ان کی جذباتی زندگی اور روحانی واردات کی دنیا میں بھی اہم مقام رکھتا تھا۔

وہ عشق رسولؐ کے تقاضوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اس دین کی خدمت بجا لانے کو حضورؐ کی شفاعت کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:-

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی بے حسی اور اسلام سے بے پروائی پر متفکر تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام نے جو معاشرتی قدریں و خیال ابھارے ہیں، مسلمان پھر ان کی طرف لوٹ چلیں۔ عجمی نظریات نے اسلام کو خاصا نقصان پہونچایا تھا وہ اس کے ازالے کے لئے کوشاں تھے۔ وہ منشی سراج الدین کے نام ایک خط میں یوں لکھتے ہیں:-

"ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔"

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے نام ایک خط میں انہوں نے قرآن حکیم کے قوانین کی ابدیت ثابت کرنے کے بارے میں یوں لکھا ہے:-

"میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (JURISPRUDENCE) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ میری ناقص رائے میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔"

وہ اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ کر چکے تھے لیکن موت کے بے رحم ہاتھ نے انہیں یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے نہ دیا۔ آخر عمر میں ان کا حال یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم اور مثنوی مولانا روم کے علاوہ ہر قسم کا مطالعہ چھوڑ بیٹھے تھے۔ حکیم محمد حسین عرشی کے نام لکھتے ہیں:-

"آپ اسلام اور اس کے حقائق کی لذت سے آشنا ہیں۔ مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر آپ کے دل میں گرمئ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہئے۔ شوق خود مرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں۔ اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی۔"

اقبال کی نظر میں فقط ہندی مسلمان نہ تھے

وہ نیل کے ساحل سے تا بخاک کاشغر مسلمانوں کو ایک دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے کلام کا بڑا حصہ فارسی میں لکھا ہے اس میں منجملہ وجوہات کے یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ افغانستان اور ایران کے علاوہ وسط ایشیا کے رہنے والے مسلمانوں سے بھی مخاطب ہونا چاہتے تھے۔ فارسی گذشتہ صدی میں عالم اسلام میں امور خارجہ کی زبان رہی ہے۔ جہاں ایک طرف ٹیپو سلطان اسی زبان میں خطوط لکھواتا تھا تو دوسری طرف جب انیسویں صدی کے اواخر میں مشرقی ترکستان سے ایک سفیر دولت عثمانیہ کے مرکز استنبول میں کاغذات لے کر گیا تو وہ بھی فارسی زبان میں تھے۔ اقبال کا دل پورے عالم اسلام کے لئے دھڑکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فارسی زبان کو اظہار مدعا کے لئے استعمال کیا۔ طرابلس کے شہید ہوں یا مسجد قرطبہ۔ مشرقی ترکستان کے واقعات ہوں یا ترکان عثمانی کے مصائب ہوں وہ سب سے یکساں طور پر اثر قبول کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے کلام میں ہمیں وہ وسعت نظر آتی ہے جو علاقائیت یا علاقائیت کی بجائے پوری ملت اسلامیہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

مغربی اثرات کی وجہ مغربی تعلیم کے پروردہ نوجوانوں میں وطنیت کا رجحان پیدا ہو رہا تھا۔ اقبال اس صدی کے آغاز ہی میں یہ بات سمجھ گئے تھے کہ وطنیت سے بڑھ کر عالم اسلام کے لئے اور کوئی چیز خطرناک نہیں۔ انہوں نے وطنیت کو بت قرار دیتے ہوئے کہا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے

مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط میں علامہ لکھتے ہیں:۔

"آپ نے اپنے پہلے خط میں وطنیت کے اصول پر اسلام کے اصول اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے امام العصر کہا ہے جس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کے چار ایڈیٹر ہیں اور چاروں مسلمان ہیں اور جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے لکھتا ہے کہ اقبال نے وطنیت کا عذر لنگ اٹھایا ہے! دیکھا مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے کتنے فرومایہ ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اسلامیت کیا چیز ہے اور وطنیت کیا چیز ہے۔ وطنیت ان کے نزدیک وطن کا محض ایک عشق ہے اور بس۔"

عالم اسلام میں وطنیت کے بت کی پرستش سب سے پہلے ترکی میں ہوئی جس کی وجہ سے خلافت عثمانیہ پارہ پارہ ہو گئی۔ اقبال ترکوں کے بارے میں مایوس نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ترک ایک بار پھر اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے۔ حال ہی میں ترکی میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے بارے میں جو خبریں آنا شروع ہوئی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نے آج سے بہت پہلے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست تھا۔ اقبال مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"ترکوں کے متعلق مایوس نہیں ہونا چاہئے ان کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ ہیں یہ الحاد کی ہوا آئی ہے کچھ دنوں بعد نکل جائے گی۔ جو کچھ ہوا جذبۂ وطن پرستی بلکہ توازن پرستی کا نتیجہ تھا۔ اب جو عراق، افغانستان، ایران اور ترکی کے معاہدہ کی تجویز ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے توازن پرستی کو بحیثیت ایک پالیسی کے ترک کر دیا ہے۔ "کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو"۔

علامہ نہ صرف ترکوں کے حالات سے اسلام کا بازوئے شمشیر زن ہونے کی وجہ سے دلچسپی رکھتے تھے بلکہ روسی مسلمانوں کے احوال جاننے کے سلسلے میں بھی متجسس رہتے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"روس کے مسلمانوں کے بارے میں جو مضمون معارف میں شائع ہوا ہے اسے ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع ہونا چاہئے۔ حال کے روسی علماء کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہئے۔ میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان کے حالات معارف میں شائع کئے جائیں۔ مسلم اسٹینڈرڈ لنڈن نے ان کے کچھ حالات شائع کئے تھے۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا۔ جزاک اللہ۔ کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔ مفتی عالم جان (روسی مسلم عالم) جن کا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے ان کی تحریک کی اصل غرض و غایت کیا تھی! کیا محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب تھا۔"

موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم اور مفکر جو جنگ عظیم دوم کے زمانے میں پشاور میں دو برس نظر بند رہے اور اسی اثنا میں ایک محدود اجتماع میں قرآن حکیم کا درس بھی دیتے رہے علامہ اقبالؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ علامہ ان کی فکر کے بہت مداح تھے انکے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی ہی کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

"موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم متفکر یہ ہندوستان کئی بار آچکے ہیں مجھ سے کئی دفعہ ملاقات ہوئی تھی یہ ترکی میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں۔"

اقبال کی نظر برصغیر کے مسلمانوں تک محدود نہ تھی۔ دیگر مسلم ممالک کے بارے میں ان کی تڑپ اور جستجو کا اندازہ ان خطوط کے علاوہ ان کے کلام سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ کہیں وہ کاشغر سے لے کر ساحل نیل تک کے مسلمانوں کو حرم کی پاسبانی کے لئے اتحاد کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں تو کہیں صقلیہ (سسلی) اور اسپین میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نوحہ خوانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ افغانستان کے بارے میں تو وہ خاص طور پر مضطرب رہتے تھے۔ نادر شاہ شہیدؒ اور ظاہر شاہ کے نام جو نظمیں انہوں نے تحریر کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملت افغانیہ کے ساتھ اسلام کی سربلندی اور خدمت کے لئے توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے۔ قومیت کے مغربی تصور نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا اقبال اسے زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط میں بھی علامہ نے اسی نوع کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اسلام ہمیشہ سے رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان (RENAN) کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

دراصل اسلام بلکہ کائنات انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوع انسان سے محبت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علم جہاد بلند کر دیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدود ملک پر ہے دنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید کئے کی تعلیم دیتا ہے اس لئے میں ایک مسلمان اور ہمدرد نوع کی حیثیت سے انہیں یاد دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشو و ارتقا ہے۔ نسل اور حدود ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیات اجتماعی کی ترقی اور تربیت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔

دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسان اس میں داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نسلی اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں۔ اسلام کی فطرت میں ایسے اوصاف پنہاں ہیں جس کی بدولت وہ کامیابی کے بام بلند پر پہنچ سکتا ہے۔ ذرا چین کے حالات پر نظر ڈالئے جہاں کسی سیاسی قوت کی پشت پناہی کے بغیر اسلام کے تبلیغی مشن نے غیر معمولی کامیابی حاصل کرلی۔ اور لاکھوں انسان اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ میں بیس سال سے افکار کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس طویل عرصے نے مجھ میں اس قدر صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ حالات و واقعات پر غیر جانبدار حیثیت سے غور کر سکوں۔ اسلام دنیاوی معاملات میں نہایت ژرف نگاہ ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیاوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے اور حسن معاملت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گراں مایہ سے محروم ہے اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیض صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔"

جہاں اقبالؒ یورپ کے نسل پرستانہ رویہ کے شدید مخالف تھے وہاں انکے مختلف مادہ پرستانہ نظریات کے بھی منکر تھے سوشلزم جو درحقیقت یورپ ہی کا مادہ پرستانہ اور ملحدانہ نظریہ ہے اقبال کی نظر میں سراسر غلط تھا۔ وہ تاریخ انسانی کی مادی تعبیر کے مخالف تھے۔ چنانچہ غلام السیدین کے نام ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:۔

"سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیت اور مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جا بجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی۔ جو روحانیت میرے نزدیک مغضوب ہے یعنی کہ افیونی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک طرح کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔"

اس سے بھی بڑھ کر اقبال نے ایڈیٹر انقلاب کے نام ایک خط میں بصاف طور پر لکھ دیا کہ میرے نزدیک بالشویک خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ اقبال کے چند مصرعوں اور چند فقروں سے یہ ثابت کرنے پر مصر ہوں کہ اقبال سوشلسٹ تھے تو یہی کہا ←

جا سکتا ہے کہ ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اقبال کی ذاتی زندگی کے بارے میں ان کے خطوط سے بڑھ کر کیا شہادت ہو سکتی ہے۔ اس آئینے میں بھی دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اکل حلال کے سلسلے میں ان کے ایک استفسار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کی زندگی میں اسلام کے معیار مطلوب پر پورا اترنے کے سلسلے میں ذکاوت حس کس حد تک موجود تھی۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے پوچھتے ہیں:۔

"دریافت طلب امر یہ ہے کہ مؤکلین وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لئے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں۔ یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں۔ کیا یہ مال مسلمان کے لئے حلال ہے۔؟"

اقبال سلسلۂ قادریہ میں بیعت رکھتے تھے۔ اور تصوف کے اسلامی تصور سے کما حقہ واقف تھے ان کے دل میں تصوف کے دیگر سلسلوں کا بھی بے حد احترام موجود تھا۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نام مکتوب اولیائے کرام سے ان کی نیاز مندی اور طالب علمانہ رویے کا شاہد ہے۔ وہ انہیں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔ میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں، جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس تصدیع کے لئے جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔"

یہ خطوط جو ظاہر ہے کہ نجی نوعیت کے تھے اور ان کا مقصد اشاعت نہ تھا اقبالؒ کے نظریات کے بارے میں ایک نئی جہت کی نقاب کشائی کرتے ہیں اور ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبالؒ کے خیالات و نظریات کا منبع صرف قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات تھیں۔ ان کے خیالات کے سرچشمے جہاں سے تھے وہ اسلام کے چشمۂ رشد و ہدایت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اقبالؒ نے مغرب کے دانشکدوں میں تعلیم حاصل کی۔ اور مغربی فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا لیکن ان کے خیالات میں ڈانٹے اور برگساں کو تلاش کرنا سعی لاحاصل ہوگی۔ پھر اقبال نہ صرف ذہنی اعتبار سے بلکہ جذبات و احساسات کی سطح پر بھی ایمان کی دولت سے مالا مال تھے۔ دنیاوی اعزازات ان کے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ سید غلام بھیک کے نام ایک خط میں اقبال کی یہ تحریر انہی خیالات کی ترجمان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساسات سے فروتر ہیں۔ سیکڑوں خطوط اور تار آئے اور آ رہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے تو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی انشاء اللہ۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔"

جہاں اقبالؒ کے اشعار ہمیں اس کے نظریات اور اس کے فکری رجحانات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں وہاں اقبالؒ کے خطوط میں ہمیں ایک مومن کا جیتا جاگتا کردار نظر آتا ہے۔ جہاں اس کے نظریات کی توضیح و تشریح ملتی ہے وہاں احساسات کی سطح پر اقبال کا مومنانہ طرز عمل دکھائی دیتا ہے۔ یہ خطوط اس امر کے آئینہ دار ہیں کہ اقبال کے نظریات میں نہ تو مغربی فلسفے کی آمیزش تھی اور نہ ہی مروجہ فکری رجحانات سے اثر پذیری تھی۔ ان میں ایک نئی اُپج، علم کے معاملے میں طالبعلمانہ ذوق تجسس اور اسلام کے بارے میں ذکاوت حس پائی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبالؒ کے خطوط میں جو بیش قیمت علمی و فکری سرمایہ ہے اسے لوگوں کے سامنے لایا جائے اور اس آئینے میں اقبال کے شعری سرمایہ کی تنقیح کی جائے ادب کے میدان میں خطوط کی جو اہمیت ہے اس کے بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اقبالیات کے طالب علم امید ہے کہ اس طرف خاطر خواہ توجہ دیں گے۔

بقیہ صفحہ ۱۱: ہمارا افلاطون

۱۱۔ مولانا عبدالباری کا عالم حدود فلسفے سے آگے نکل چکا ہے۔
(مولانا مناظر احسن گیلانی)

۱۲۔ عبدالباری ندوی تو عارف معلوم ہوتے ہیں۔
(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۱۳۔ ہمیں مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا مناظر احسن گیلانی پر فخر ہے۔
(وائس چانسلر اکبر حیدری)

... ...

ان مشاہیر کی آراء سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا عبدالباری ندوی کو اس دور کا افلاطون کہنا مبالغہ نہیں ہے مولانا کی کتابوں کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے مطالعہ کی وسعت کا کیا عالم رہا ہوگا۔ قدیم فلسفہ اور جدید فلسفہ کو مولانا موصوف نے کھنگال ڈالا تھا بلکہ طبیعات فلکیات حتیٰ کہ سائنس کو بھی ایک حد تک ہضم کر ڈالا تھا مشہور سائنسداں آئن اسٹائن کی معرکۃ الآراء تھیوری اضافیت کا بھی آپ نے مطالعہ کیا تھا اور اس پر قلم اٹھانے کی کوشش کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی مدارس میں ڈھنگ سے پڑھایا جائے تو یہ منبر و محراب میں عیش کر رہنے والے اصحاب منبر کی رسائی اور ان کی پرواز کتنی اونچی ہو سکتی ہے اگر ان کے ذہنوں میں علوم جدیدہ و قدیمہ کا سنگم پیدا ہو جائے تو یہ تاریخ کا دھارا موڑ سکتے ہیں۔ اب تک تو یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ مسلمان علوم قدیمہ میں تو کوشش کرکے یہ ماہر ہو جاتے ہیں لیکن علوم جدیدہ سے ان کا دامن خالی رہتا ہے۔ ولو بالفرض جدید علوم کا کچھ حصہ آ بھی جاتا ہے تو اتنی صلاحیت ان میں نہیں ہوتی ہے کہ جدید علوم میں صف اول کے ماہرین سے اپنا لوہا منوائیں۔ جدید علوم میں مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے اس کے برعکس یہودیوں کا تناسب دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ طبیعات میں تقریباً نوے فی صد یہودی چھائے ہوئے ہیں۔

بہر حال ہمارے اس عظیم فلسفی، دانشور مولانا عبدالباریؒ کی وفات نے ایک عہد کو ختم کر دیا ہے لیکن ہم ان کی تعلیمات کی روشنی میں ایک نئے عہد کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

بقیہ صفحہ ۴: جو بیچتے تھے دوائے دل....

میں اور میرے حلقے کے ساتھی آپ کے بیحد ممنون و مشکور اگر آپ اس دورہ کے زمانہ میں قیام اس درگاہ پن چکی میں رکھیں۔ یہاں ہر کس و ناکس بلا تفریق مذہب و ملت آپ سے فیضیاب ہو سکتا ہے میں نے جناب والا سے گذشتہ دورہ کے موقع پر گذارش کی تھی تو فوراً آپ نے قبول کر کے باوجود خرابی صحت کے ہمیں دو گھنٹہ کا وقت مرحمت فرمایا تھا اور وعدہ فرمایا تھا کہ آئندہ جب کبھی اورنگ آباد تشریف آوری ہوگی پن چکی میں قیام رہے گا۔ یہاں سے خلد آباد اور دیگر جملہ مقامات پر دورہ ہو سکتا ہے ہر حال میں اور میرے ساتھی قوی توقع رکھتے ہیں کہ آپ کا قیام پن چکی میں رہے گا۔ براہ کرم اپنی تشریف آوری کی تاریخ اور تفصیلی پروگرام سے مطلع فرمائیں تاکہ ہم لوگ اس کے لحاظ سے خدمت کے لئے تیار رہیں۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔

مکرمی جناب اسحٰق جلیس و دیگر پرسان حال کی خدمت میں سلام علیک

یہ خط بمشورہ جناب غلام دستگیر خانصاحب صدر مرہٹواڑہ وقف بورڈ و انوار حسین صاحب لکھا گیا ہے۔ آپ حضرت درگاہ پن چکی کے خانقاہوں اور دیگر [illegible] اور ان کی وسعت سے واقف ہیں۔ مندوبین کے قیام و طعام اور ہر انتظام جزوی و دیگر باتوں سے متعلق مجھے بالکل اپنا سمجھ کر بلا تکلف تحریر فرمائیں تاکہ عین وقت پر بدنظمی نہ ہو۔ باقی خیریت

خاکسار
پیر شاہ یوسف الدین عزیزی
سجادہ نشین پن چکی، اورنگ آباد

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
(اقبالؒ)

مکتوب سید یوسف الدین صاحب مغربی اورنگ آباد

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل...

حضرت پیر و مرشد عالیجناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عزیزی جناب اسحٰق جلیس صاحب ندوی احمد نگری سے ۲۲ دسمبر کو ملاقات ہوئی۔ ان کے ذریعہ برادران وطن میں پیام انسانیت کے تعلق سے عالیجناب کے دردمندانہ خیالات و صوفیانہ عزائم معلوم ہوئے۔ موصوف نے اس کام کے تعلق سے خود ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پڑوسی برادران وطن کے اصلاح اخلاق و کردار کے آپ کے کامیاب تجربات اور اسی سلسلہ میں الہ آباد کے جلسہ عام کی تفصیلات سنائے۔ یہی طریقۂ کار ہمارے صوفیائے کرام نے اپنایا تھا جس کی وجہ سے برادران وطن میں ان کی اس قدر مقبولیت ہوئی اور ہم امن و سلامتی سے اُن کے ساتھ ایک عرصۂ دراز سے شیر و شکر کی طرح گذرتے رہے۔

۱۸۵۷ء سے یہ اہم کام رُکا پڑا تھا اور مختلف اسباب مسلمان بادشاہوں کی سیاسی برتری کی وجہ سے جو انتقامی جذبات بعض برادران وطن کی جماعتوں میں دبے ہوئے تھے مسلمانوں کی حکومت سلب ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے فائدہ لے کر منظم طریقہ پر مسلم نسل کشی اور ہر طرح ان کو پست کرنے کی سازشیں کیں اور ایسے مظالم توڑے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی اور دوسری طرف صوفیائے کرام کے جانشینوں نے اُن کے اسلاف کے مخلصانہ کام کو آگے بڑھانے کے بجائے جلب منفعت کا ذریعہ بنایا۔ اور ان کے خانقاہوں سے بجائے فیوض و برکات و رحمۃ للعالمین کے اصلی پیام جاری ہونے کے پیری مریدی کی دوکانیں لگ گئیں اس کی وجہ سے ان کا کردار اپنوں میں تو گر ہی گیا اور برادران میں بھی سخت منافرت کی دیواریں کھڑی ہوگئیں کہ سابق میں مسلمان As good as muslim کی مثال ہونے کے بجائے اب ہر طرف مسلم غنڈہ، لُٹیرا اور بے اصولا کہلائے جانے لگا۔

ہمارے دردمند مخلصین نے علمی حیثیت سے ادارہ سازی اور جماعت سازی کے ذریعہ تعلیمی، سیاسی، معاشی و معاشرتی میدانوں میں جتنی بھی اخلاص کے ساتھ کوششیں کیں وہ بیکار و رائیگاں ثابت ہوئیں۔ اور ہر حیثیت سے ہم قعرِ ندامت میں گرتے ہی جارہے ہیں۔ مسدس حالی اور علامہ اقبال کا شکوہ جواب شکوہ اس حال زار مسلمانان ہند کے تاریخی زوال کی فصل آخریں ہے۔ ان ہر دو بزرگوں کا تو یہ واقعات کا دردانگیز بیان تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد اس تیس سالہ دور میں ہم نے کٹنے پٹنے اور پست تر ہوتے رہنے کا حال اپنے آنکھوں سے دیکھ لیا اب بین اور ماتم کرنے کا وقت نہیں رہا۔ بلکہ جب تک آپ جیسے دردمند صاحب بصیرت پیر و مرشد کے تحت نئے نئے طریقوں سے اللہ تعالیٰ سے امیدیں رکھ کر جدوجہد کے لئے اٹھ نہ کھڑے ہوں اس دلدل سے نکل نہیں سکتے اور اس کشمکش و تغیر حیات نو میں آپ جیسے رہنما کے ہاتھ پر بیعت کرکے سر دھڑ کی بازی لگانے پر تیار نہ ہوجائیں تب تک کام نہ بن سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے چند سرفروشوں اخلاق و کردار سے مرتبع عقیدتمند مخلص کام کرنے والے افراد کی ضرورت ہوگی۔

دستور سازی اور جماعت بندیوں کے طریقوں سے یہ کام نہیں بنا بلکہ ہمارا تجربہ ہے کہ غیر متعلق سیاسی اغراض رکھنے والے عناصر اس نیک اور خالص کام میں شریک ہوکر کام بگاڑ دیتے ہیں۔ جماعت بندیوں کے یہ تمام طریقے اور سب سے آخر میں مجلس مشاورت سے بھی ہم ایک پلیٹ فارم پر نہ آسکے اور ان مظالم اور مصیبتوں سے جو تقسیم ہند کے بعد ہم ہندوستانی مسلمان شکار رہیں اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکے۔

آپ کا حلف نامہ حلقۂ پیام انسانیت ان سب چیزوں سے مبرّا اور پاک ہے۔ اسلام کے حقائق آپ کے ذات بابرکات میں مضمر ہیں۔ موجودہ دور میں جب ہمارا رہنما رحمۃ للعالمین کے اسوۂ حسنہ کا حامل کامیابی اس حلقہ میں دکھ رہا ہے تو ہم حامیوں کو اس بات پر فوری لبیک کہنا چاہئے مثالی ہند میں تو آپ جیسے حضرت خود واقف ہیں کہ کون اس کا اہل ہے۔ آپ کی بصیرت جیسا کہ اب تک ہوتے ہوئے آیا ہے ایسے افراد کا بآسانی انتخاب کرے گی۔ افراد سے واقف ہوکر ان کو حلقہ میں لے کر اپنی دعاؤں کے ساتھ آپ کام سپرد فرمارہے ہیں اور اسمیں خاطر خواہ کامیابی ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وقت ہر حال میں انشاء اللہ اس طرح کامیاب و کامران کرتا رہے گا۔

"یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" (القرآن)

"یعتصمک من الناس"

وسط ہند اور جنوبی ہند یعنی دکن میں آپ اس کام کو وسعت دے رہے ہیں اور اس سلسلہ کا پہلا دورہ جیسا کہ مولانا اسحٰق جلیس صاحب سے معلوم ہوا۔ ناگپور، اورنگ آباد، احمد نگر، پونہ، بمبئی کا مرتب فرمایا ہے اور اورنگ آباد میں جو مرکز اہل اللہ رہا ہے دو تین دن قیام فرماکر پیام انسانیت برادران وطن میں دینا چاہتے ہیں۔

اورنگ آباد ضلع کی اہمیت اور اس کام کی تاریخ پر مزید کچھ روشنی ڈالی جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ اورنگ آباد۔ دکن کا دلی کہلاتا ہے جہاں سب سے پہلا مسلمان پیام انسانیت لیکر یادو خاندان کے آخری راجہ رام دیو کے زمانہ میں آج سے ساڑھے آٹھ سو برس پہلے مومن عارف باللہ کی صورت میں وارد ہوا اور ان کے بعد حضرت جلال الدین گنج رواں دکن تشریف لائے۔ یہ ہر دو بزرگ دو تین واسطوں سے حضرت شہاب الدین سہروردی سے تعلق رکھتے ہیں یہ واقعہ علاء الدین خلجی کے حملہ دیوگڑھ سے پہلے کا ہے۔ راجہ رام دیو اور قلعہ دیوگڑھ کی فتح علاء الدین کے بعد کی ہے حضرت مومن عارف چند ساتھیوں کے ساتھ تن تنہا اللہ کی مدد کے ساتھ اس علاقے میں تشریف لائے، ان ہر دو بزرگوں کے مزار آج بھی مرجع خاص و عام و برادران وطن ہیں جو دولت آباد کے قلعہ کے مشرق و مغرب ہر دو طرف پرسکون خوبصورت کہسار میں واقع ہیں اور آج بھی ان پر انوار الٰہی برستے ہیں کہ اس مقام سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔

ان کے بعد حضرت نظام الدین اولیا، محبوب الٰہی کے بھیجے ہوئے تغلقی دور کے چودہ سو اولیاء اللہ پالکیوں کی شکل میں مختلف اوقات میں بہ سرکردگی حضرت برہان الدین غریبؒ و حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخشؒ، خواجہ عمر و خواجہ زین الدین شیرازی چشتیہ بزرگ اس نواح میں وارد ہوتے رہے، ان ہی بزرگوں کے زمانہ میں پُر امن و خوشحال سلطنت بہمنیہ قائم کردہ حسن گنگو بہمنی چھ سو سال تک چلتی رہی۔ دولت آباد، گلبرگہ، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈہ، ورنگل اور نربدا کے کنارے برہانپور و زین آباد کی بستیاں انہیں بزرگوں کے نام نامی سے موسوم بسی ہوئی ہیں۔ بہمنیہ سلطنت کے زمانہ کی خوشحالی، امن و شانتی اس ملک کو کبھی نصیب نہیں ہوئی جو انہی بزرگوں کے پیام انسانیت و تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ حضرت زرزری بخش یہاں کے ہندوؤں میں جالندھر ناتھ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور انہی کے پیام انسانیت کے خوشہ چیں جناردھن مہاراج دولت آبادی اور ایکناتھ مہاراج پٹن والے ہیں جن کے تعلق سے یہ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ اور جناردھن مہاراج گھنٹوں تصوف کے مسائل میں مصروف گفتگو رہتے اور کھانے کے وقت ایک ہی برتن میں کھاتے اور اس کو دھو کر ایکناتھ مہاراج پی لیتے گویا ایکناتھ مہاراج حضرت خواجہ کے مُرید تھے۔ یہی ایکناتھ مہاراج باوجود برہمن نژاد ہونے کے چھوت چھات کے رسوم کو ختم کروایا اور ایک بڑے ریفارمر اور دھرماتما ہے مولوی عبدالحق صاحب نے ان کے واقعات کو کتابی شکل میں شیخ چاند صاحب پٹنی سے لکھوایا ہے جو چھپ چکی ہے۔ عند الموقع جناب کی خدمت میں گزاری جائے گی۔

ان چشتیہ بزرگوں کے ساتھ ساتھ اورنگ آباد قادریہ سلسلہ کے بزرگوں کا آماجگاہ رہا ہے یہیں حضرت خواجہ بندہ نواز محمد الحسینی گیسو دراز کے والد بزرگوار شاہ راجو قتال حسینی۔ اور حضرت نوحموی قادری حضرت شاہ علی نہری قادری، شاہ احمد گجراتی، حضرت قادر اولیا اور حضرت غلام حسین قادری اور حضرت نظام الدین اورنگ آبادی آرمیدہ ہیں اور سب سے آخر بہ توفیق ربانی حضرت شاہ سعید پلنگ پوش و حضرت بابا شاہ مسافر و شاہ محمود نقشبندی عالمگیری دور کے نقشبندیہ بزرگ اپنے حسن و آرٹ کے خوبصورت روضہ جات و خانقاہ انبار و احیاء کے معمار اورنگ آباد میں پیام انسانیت دیتے رہے۔ آج بھی یہ بارگاہ سیاحان عالم بلا تفریق مذہب و ملت زیارت گاہ ہے حضرت مولانا ابو الوفا صاحب نقشبندی جنکا وصال گذشتہ سال میں ہوا۔ ۱۰ سال تک اپنے ابتدائی دور میں یہیں گذارے ان کی زبانی ہر مزار کی تاریخ سننے میں آئی اور مولوی صاحب موصوف شرعی و تصوف کے مسائل کے اختلافات جو قاضی ضیاء الدین صاحب صاحب احتساب الاحتساب محتسب و قاضی وقت و حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی و حضرت برہان الدین غریب کے دلچسپ مکالمات اور حضرت زین الدین شیرازی کے بے باکانہ بے لاگ بادشاہوں کے خلاف فتوی و فیصلے سننے میں آئے جو تاریخی کتب صاحب فوائد الفواد از میر حسن سنجری کے کتابوں میں موجود ہیں۔ اس کے قبل میں ملفوظات نقشبندیہ کا ایک نسخہ جناب کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرچکا ہوں۔ تذکرہ اولیاء دکن اور آثار الکرام از مولانا غلام علی آزاد بلگرامی چھپ چکے ہیں۔ ان بزرگوں کے تفصیلی حالات ان کتب کے مطالعہ سے واضح ہوسکتے ہیں۔ حضرت غلام علی آزاد بلگرامی درگاہ پن چکی میں قیام کرکے مذکورہ بالا کتب کو مرتب فرمایا تھا۔ یہاں کا مشہور نایاب کتب خانہ کو حضور نظام کے حکم سے کتب خانہ آصفیہ بلدہ حیدرآباد منتقل ہوچکا ہے۔

(بقیہ صفحہ پر)

میرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا

ایک جائزہ ایک تأثر

محمد صدر الحسن متعلم ندوہ

وقت نہ کسی کا پابند رہا ہے اور نہ رہے گا۔ جب میں ایک سال پہلے احاطہ ندوہ میں داخل ہوا اجنبیت کا احساس تھا۔ دل پژمردہ آنکھیں محو حیرت، لب خاموش، ایک عجیب نرالی دنیا... کیا بتاؤں اور کیسے یقین دلاؤں یہ دنیا میری اس دنیا سے الگ تھی میں رکشے پہ تھا لیکن افکار و خیالات کا ایک ہجوم غفیر میرے اوپر تھا۔ میں راکب بھی تھا اور مرکب بھی تھا لیکن ایک لائق اور مشفق استاذ کی ملاقات نے وہ تمام پردہ ہائے غیب غربت یکسر چاک کردئے جب کہ انہوں نے نرم و شیریں لہجے میں کہا جس کا مفہوم بقول غالب یہی تھا کہ ؎

لو دیکھو نظر آرہی ہے منزل مقصود

بس چار قدم چار قدم چار قدم اور

مسجد کی سنگ بنیاد ڈالی جارہی ہے، دار العلوم کے احاطہ کی تکمیل ہورہی ہے۔ وضوخانہ تعمیر کیا جارہا ہے اور میں محو حیرت، میری متجسس نگاہیں اس کا سراغ لگانا چاہتی تھیں عقدہ آخر کو کھلا مدت بسیار کے بعد" یہ تیاری تھی پچاسی سالہ جشن کی۔ وقت گذرتا گیا ذمہ داران ندوہ کے تگ و دو کی بارآوری کا دن قریب آتا گیا، آخر وہ دن بھی آیا جس کا سبھوں کو انتظار تھا شہر لکھنؤ جس کا مشتاق تھا اہل ہند جس کے متمنی تھے، وہ دن خوشی کا دن تھا لیکن وہ کسی کے دل کی اضطرابی کیفیت، آنکھوں کی نمی، قرطاس و قلم کی جولانیت اور برسوں کی کدوکاوش کا نتیجہ تھا۔ وہ دن آیا بڑے کر و فر کے ساتھ آیا خود بھی آیا عالم اسلام کی جلیل القدر شخصیات کو لایا، قاضی القضاۃ کے روئے اقدس کی بھی سیر کرائی۔ اپنے دامن میں فقیہ کو بھی لایا آخر اسے محدث سے کون سی دشمنی تھی لایا اور بڑے آن و بان سے لایا۔ جہاں ندیم تھا مقرر کی بھی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا، ضرورت زمانہ کا احساس تھا مفکرین کی ایک جماعت کو بھی اسٹیج ندوہ کے سپرد کیا۔ عالم اسلام کی اہم شخصیتوں کو جمع کردیا اس کا صرف چار روز کا پروگرام تھا آخر رخت سفر باندھا اور چلا گیا لوگ دیکھتے رہے بہت کوشش کی لیکن نہ رُکا۔ خوشیاں لیتا گیا۔ دل کے جذبات کو ٹھیس پہونچایا۔ میدان ندوہ کی رونق کو بھی نہ چھوڑا، سب کچھ لے گیا۔ لیکن ایک چیز چھوڑتا گیا وہ کیا تھا؟ احساسات تھے تأثرات تھے، جذبات و کیفیات تھے۔

کیا بتاؤں اور کس طرح اپنے احساسات و جذبات کی عکاسی صفحۂ قرطاس پر کروں۔ آپ کے سامنے عرب مہمانوں کے خیالات اور انداز بیان کے اتار چڑھاؤ کا حسین مرقع پیش کروں یا اجتماع کے مناظر، اسکی دلفریبی، دلکشی، جاذبیت کا نقشہ کھینچوں یا قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلفریب گوش گذار کروں یا دل کی دھڑکن اور چشم پُر آب کی منظر کشی کروں یا شیخ ازہر کے تقریر کی متانت اور معنویت بیان کروں یا مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی الندوی کی خودداری، زُش مجری، بے باکی، بے لوثی اور جذباتی تقریر کی دلکشی بیان کروں یا قطر کے عالم باکمال کی روانی زبان اور معنویت بیان، زبان سحبان حکمت لقمان، فراست نعمان اور عشق خیام کی روئیداد پیش کروں لیکن کیا کروں ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

آپ یقین جس وقت مہمانان کرام اسٹیج پر تشریف لائے اور کرسیوں پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یاد کو تازہ کردیا اور دل و دماغ آج سے چودہ سو سال پیچھے اس عالم کی سیر کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

لیکن وقت نے وفا نہ کیا اور جس کر و فر سے لایا اسی خوش سلیقگی سے لے بھی گیا، کیا میرا بگڑتا جو وہ دیتا کوئی دن اور۔ دل کی امنگیں یکسر ختم ہوگئیں جب یہ اپنے وطن مقدس روانہ ہوئے اور قلب مضطرب نے ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہلاتے ؎

صبت علیّ مصائب لو انہا

صبت علی الایام صرن لیالیا

لیکن حسرت و یاس اور ہم و غم دروش کا موقع نہیں بلکہ فکر فردا کی ضرورت ہے۔ آج حضورؐ زندہ نہیں ہیں ان کی تعلیمات زندہ ہیں۔ صاحب قرآن نہیں ہیں قرآن ہے۔ آج ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور جائزہ لیں کہ ہم کیا فرائض ہیں اور ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں ؎

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

مسجد اقصیٰ کے بعد...

رفیق احمد فاروقی متعلم درجہ ہفتم

اسلام اور مسلمانوں سے یہودیوں کی عداوت دیرینہ اور مسلسل ہے قرآن کریم اسکی صراحت کرتا ہے۔ "لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنو الیہود والذین اشرکوا (یہود اور مشرکین کی مسلمانوں سے دشمنی شدید تر ہے) آج تک کی تاریخ نے ان کی عداوت و عناد کے بے شمار واقعات کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ صدیوں تک بھٹکنے کے بعد موجودہ صدی میں یہودیوں کی بیت المقدس کی طرف واپسی ایک خطرناک منصوبے کا آغاز ہے۔ ان کا اولین مقصد یہودیت کی اشاعت ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی آثار کو توڑ پھوڑ کر صفحۂ ہستی سے مٹا دینا، مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو تبدیل کرنا، اسلامی ملکوں میں پھوٹ ڈال کر ان کے اتحاد کے شیرازے کو بکھیر دینا، ان پر اپنا تسلط قائم کرکے ان کی املاک پر ناجائز قبضہ کرنا اس کو اپنے عیش و عشرت کیلئے استعمال کرنا۔ غرض ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں پر وار کرکے ان کی طاقت کو پارہ پارہ کردینا، صیہونیت کی ایک منظم و متعین سازش کا نتیجہ ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے یہودیوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول کو نذر آتش کیا ہی نہیں بلکہ اس کے اطراف میں کھدائی بھی ایک ناپاک منصوبے کے تحت تھی۔ ہیکل سلیمانی کی تلاش کا بہانہ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہونچا سکتا تھا۔ اب پھر انہوں نے اپنا ناپاک قدم مسجد ابراہیمی کی طرف بڑھائے ہیں۔ (جس کا محل وقوع مدینۃ الخلیل ہے) اس کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا ہے ستم بالائے ستم اس میں ہنگامہ اور شور و شغف، لہو و لعب کی بیہودہ مجلسیں، رسمی پارٹیاں، جدید طرز کی شرمناک شادیوں کی محفلیں منعقد کی جانے لگیں اور جب مسلمان اس میں نماز ادا کرنا چاہیں تو اذان و اقامت نماز کے معاملات میں دخل اندازی اور مسجد میں مختلف راستوں سے جانے والوں پر پابندی ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کا کھلا ثبوت ہیں۔

عالم اسلام کی دینی تنظیموں نے یہودیوں کی ان مسلسل حرکتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے بلکہ یہودیوں کے ظلم و ستم اور سازش کا نشانہ فلسطینی عوام کے علاوہ پوری دنیا کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے مسلمان بھی ہیں۔ ان وحشیانہ اور جارحانہ حملوں کے خلاف آواز بلند کرنا تمام عالم انسانیت کا فرض ہے۔

تمام اسلامی ملکوں اور تنظیموں کو چاہیے کہ وہ متحد ہوکر موثر اقدام کریں محض تجاویز پاس کرنا اور ناپسندیدگی کا اظہار مسائل کا حل نہیں ہے۔ جس کی اسرائیلیوں کو کوئی پرواہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہے کہ ان کو سرکشی اور زیادتی سے روکنے والی کوئی طاقت موجود نہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز"

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

مسلم خواتین کا دینی ترجمان

ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

کا

امۃ اللہ تسنیم نمبر

زیر ادارت مولانا سید محمد ثانی حسنی یکم مئی ۱۹۸۲ء کو شائع ہورہا ہے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا ایک مفصل و اثر انگیز مضمون جو خاص اسی اشاعت کے لئے ہے اس نمبر کی زینت ہوگا۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۲۰ دلکش و جاذب نظر سرورق

رضوان کا سالانہ چندہ دس روپیہ ارسال فرماکر خریدار بن جائیں تو یہ نمبر آپ کی خدمت میں اسی چندہ میں ارسال ہوگا۔

دفتر ماہنامہ "رضوان" ۳۷- گوئن روڈ لکھنؤ

مولانا ابوالکلام آزاد

فن اور شخصیت

سید مسعود الحسن، متعلم ندوۃ العلماء

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت اپنی جگہ ایک انجمن تھی وہ ایک بڑے مقرر بھی تھے اور انشاء پرداز بھی، عظیم مفکر بھی تھے اور ماہر سیاست داں بھی لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کی شخصیت کا مایۂ خمیر ادب ہی تھا۔ ان کی سیاسی تقریریں اعلیٰ ادب کی بہترین مثال ہیں، ان کے فلسفیانہ افکار اور سنجیدہ ادبی پیرائے سے آراستہ ہیں۔ غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں مولانا کی عظمت ان کی انشاء پردازی کی رہین منت ہے اور یہی کہنا چاہئے کہ ان کا اصلی جوہر ہے۔

لارڈ جارج سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ صحافی بننے کے لئے ایک انسان کو کیا کیا چاہئے تو انہوں نے جواب دیا کہ صحافی بننے کے لئے ایک انسان کو "سب کچھ اور کچھ نہیں" یعنی صحافی دراصل وہ ہے جو دنیا کی تمام باتوں کو جانے لیکن ماہر کسی کا نہ ہو لیکن مولانا کی عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت کچھ جانتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے ماہرانہ حیثیت سے جانتے تھے۔ مولانا کے فضل و کمال کا تنوع ان کے قلم کی توانائی وسعت نظر و مطالعہ، جذبۂ تحقیق و تدقیق، ان کا پاکیزہ جمالیاتی ذوق اور ایک خاص قسم کا عالمانہ رکھ رکھاؤ، ان سب کا اتنا دلکش امتزاج ان کے اندر پایا جاتا تھا کہ ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے گویا وہ ایک ایسا کل تھے جس کا کوئی جزو اس سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

جرمنی کے مشہور عالم، شاعر و ادیب گوئٹے کا قول ہے کہ اگر انسان دوسری زبان نہ جانتا ہو تو وہ اپنی مادری زبان کو سلیقے سے استعمال نہیں کر سکتا ہو سکتا ہے مولانا کی اس حیرت انگیز قوت گویائی کا باعث ان کی متعدد زبانوں سے واقفیت ہو اور پھر قدرت نے ایسا حافظہ بھی عطا کیا تھا کہ ایک مرتبہ جو پڑھ لیا پتھر کی لکیر ہو گئی۔ مشرقی اور مغربی فلسفہ کے مسائل ان کے ذہن میں محفوظ تھے جن میں غور و جستجو پر پرلطف مکالمہ کرتے تھے، ادب لطیف ہو یا فلسفہ، سیاسی بحث ہو یا دینی موضوع ہر جگہ ان کی ابوالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ فلسفیانہ مسائل میں ان کا اسلوب بالعموم صاف اور سادہ ہوتا ہے ایسی تحریروں میں نادر شعر استعمال کرتے ہیں لیکن ان کی ذہنی تحریریں ادبیانہ صورت جیسے مفکر

پائی جاتی ہے۔ خالص ادبی تحریرات جو استعارہ اور تشبیہ سے پر ہیں وہ فلسفیانہ تحریروں میں تمثیل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں ایک اچھوتی تمثیل کی مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ الہلال ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں فرماتے ہیں۔

"میں سمجھتا ہوں اگر ہمارا یہی حال رہا جو باوجود پیہم نظمات اتنا و تنبیہ کے آج نظر آرہا ہے تو کوئی مسلمان مسجد کا دروازہ کھولنے، اذان دینے، نماز پڑھنے اور رمضان کا روزہ رکھنے کے لئے بھی گورنمنٹ کی اجازت و رضا کے منتظر رہا کریں گے اور جمعہ کے دن خطیب منبر منتظر ہو کر کھڑا رہیگا کہ حمد سے تار آجائے تو خطبہ پڑھنے کے لئے آمادہ ہو۔"

مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے ادب لطیف کو اگر "شعر منثور" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا شاعری کا کون سا کمال ہے جو ان کی نثر میں موجود نہ ہو، کون سی صنعت ہے جو ان کی تحریر میں جلوہ افروز نہ ہو لیس وزن اور قافیہ، ردیف سے عاری ہے، اسی لئے آپ اسے نثر کہنے پر مجبور ہیں بقول حسرت موہانی ؎

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا

اگرچہ یہ مسلم ہے کہ مولانا آزاد ہر تقلید سے آزاد تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنی تحریروں میں جابجا کیا ہے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین کہتے ہیں کہ ان کی صحافت خود ان کی صحافت تھی جسے خود انہوں نے ایجاد کیا اور جو انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔

مولانا آزاد نے اردو ادب کے چمن میں حسن انشاء و بیان کے جو پھول کھلائے ہیں تو وہ سدا بہار ہیں لیکن مستقل تصنیف کی حیثیت سے قرآن مجید کی تفسیر ترجمان القرآن مولانا کی تمام علمی ادبی تحریروں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اردو زبان کے علمی ذخیرے میں اس کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ دوسری تفسیروں کی طرح اس میں وضعیت نہیں ہے یعنی زمانے کے لحاظ سے جو علوم و فنون پیدا ہوں قرآن مجید میں اس کے اثرات نمایاں ہو جائیں ایسا

نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور تفسیروں میں معمولی اور فروعی باتوں پر بہت زور دیا جاتا ہے جہاں قرآن کے اہم اور بنیادی تعلیمات کا تعلق ہے جن کا رابطہ عام انسانی اجتماع و تمدن سے ہے ان پر یا تو کلام ہی نہیں کیا جاتا ہے کلام کیا بھی جاتا ہے تو محض سرسری اور ضمنی جس سے قرآن مجید کا مقصد فوت ہو جاتا ہے مثلاً وحدت ادیان اور دوسرے مذاہب اور ان کی الہامی کتابوں کی تصدیق بنیادی تعلیمات ہیں لیکن مفسرین نے اس طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا۔ متاخرین میں غالباً حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے حجۃ اللہ البالغہ اور دوسری کتابوں میں اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے اور ان کے بعد مولانا دوسرے بزرگ ہیں جنہوں نے اس بحث پر نہایت مدلل، واضح اور پرزور کلام کیا ہے۔

دراصل مولانا ایک عالم دین تھے لیکن وقت کے تقاضہ نے ان کا رخ دوسری طرف موڑ دیا لیکن سیاسی سرگرمیاں مولانا آزاد کی علمی حیثیت پر کبھی حاوی نہیں ہوئیں اور وہ ہندوستانی عوام کی "در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق" رہنمائی کرتے رہے۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو مولانا ادب ہی کے کوچہ سے سیاست میں آئے۔ "الہلال" کے اجراء سے پہلے مولانا کی صحافت زبان زیادہ علم و مذہب تک محدود تھی لیکن اس کے بعد جب وہ صحیح طور پر میدان صحافت میں آئے تو اس شان سے کہ افق صحافت پر ایک نیا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔

مولانا کا رجحان سیاست کی طرف کب اور کیسے ہوا اس کی صحیح تاریخ متعین کرنا مشکل ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب وہ ۱۹۰۸ء میں مصر تشریف لے گئے اور وہاں انھیں جامعہ ازہر میں جمال الدین افغانی و محمد عبدہ کی تحریک آزادی کے لٹریچر پڑھنے کا موقع ملا اس کے بعد جب وہ ہندوستان آئے تو یہ چنگاری اپنے سینہ میں لے کر آئے اور رفتہ رفتہ اس کی حدت اور تیزی بڑھتی رہی اور آخرکار شعلہ جوالہ بن کر الہلال کی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔

جس وقت الہلال جاری ہوا اس وقت ہندوستان ایک سخت ذہنی اضطراب میں مبتلا تھا۔ استعماریت اور استعماریت اپنے بقا و تحفظ کے لئے تمام دجل و جنگال کی پوری قوت صرف کر رہی تھی، برطانوی سامراجیت کا طلسم ختم تو نہ ہوا تھا لیکن اس سیاسی کو گھن لگنا شروع ہو گیا تھا۔ اپنے تحفظ کے لئے آستینیں چڑھائے ہوئے ہر انسانیت شکن اقدام پر آمادہ تھی، ہندوستان میں کانگریس آزادی کا بیج بو چکی تھی، مسلم لیگ وجود میں آچکی تھی اور مسلمان برخلاف ہندوؤں کے ملکی مسائل کو ثانوی حیثیت دیتے تھے اور سرسید کی تعلیمات کے زیر اثر۔ لیکن مولانا کا نظریہ اس کے برعکس تھا کہ آپس میں اتحاد پیدا کر کے فرنگی تسلط کو اکھاڑ پھینکا جائے لیکن وہ اس حقیقت سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اس پر فیصلہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں یہ وہ راہ ہے جس میں "شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی" لہٰذا ملک کی آئندہ سیاست کے لئے مولانا کے سامنے جو نقشہ تھا وہ تعمیر سے تخریب کیونکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جب کوئی ڈھانچہ اتنا بگڑ جائے کہ اس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے اس ڈھانچہ کو توڑ دیا جائے اور پھر از سر نو تعمیر کی جائے۔

یہی وہ اصول کار تھا جس کے پیش نظر انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے ذہن سے سید احمد خانی نقوش مٹانے کی کوشش کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا ہے جب تک یہاں کی تمام آبادی بلا امتیاز مذہب و ملت کسی ایک غرض مشترک پر متحد نہ ہو جائے۔ غرضیکہ مولانا کو جنگ آزادی میں کئی مرتبہ آہنی دیواروں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن وہ عزم و ثبات کا پیکر دھن میں لگا رہا اور بالآخر ہند آزاد ہوا اور انکی کوششیں برگ و بار لائیں ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

الہلال کے بعد جب مولانا نے ۱۹۱۵ء میں البلاغ جاری کیا تو اس کا نصب العین بھی وہی تھا لیکن طریق ابلاغ دوسرا تھا تیور وہی تھے لیکن رخ دوسرا تھا، انداز فکر وہی تھا مگر لب و لہجہ بدلا ہوا۔ الہلال عمل کا علمبردار تھا اور البلاغ ذہنی نفسیات کا۔ الہلال حرکت و عمل، جوش و ولولہ کا پیام رساں تھا اور البلاغ فکر و تدبر اور روحانی عزم و ثبات کا پیامبر۔ الہلال مولانا کی تمام خصوصیات ذہنی کا ایک ایسا گلدستہ تھا جو بیک وقت اخبار بھی تھا اور قدر اول کا میگزین بھی جس میں سیاسی مقالات، علمی و تاریخی مضامین، مذہبی و ادبی مباحث

ہمارا افلاطون

از:- اسعد مالوری

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

چند دن پیشتر لکھنؤ یونیورسٹی میں منعقد انٹرنیشنل فلاسفی کانفرنس میں بین الاقوامی شہرت یافتہ فلاسفی ڈاکٹر آشن کو دیکھنے کا موقعہ ملا تھا جو کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں ان کو دیکھ کر اچانک خیال آیا کہ آیا ہماری صفوں میں بھی کوئی صف اول کا فلاسفی ہے، اچانک مایوسی کا تیر ذہن کو لگا ہم خاموش رہ گئے لیکن تھوڑی دیر بعد ذہن کے پردے پر ایک تصویر ابھرنے لگی مولانا...... عبدالباری...... ندوی۔ بس کیا تھا مایوسی کا زخم مندمل ہونے لگا لیکن یہ کون جانتا تھا کہ یہ وقتی اندمال ہے، چند دن خود مجھے اس عظیم فلاسفی کو آخری آرام گاہ تک پہونچانے کے لئے کندھا دینا پڑے گا۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ انتقال سے چند دن پیشتر والد محترم کے ساتھ مولانا مرحوم کا دانش کدہ موسوم بہ شبستان سعادت میں جانے کا اتفاق ہوا تھا، کوٹھی شبستان سعادت کندہ دیکھ کر فوری اندازہ ہوا کہ ہمارا یہ فلسفی خشک مزاج نہیں رہا ہے بلکہ ذوق سلیم کی لطافت نے فلسفہ کی خشکی کو ختم کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے، شبستان سعادت میں قدم رکھنے کے بعد ایک اجڑے اجڑے سماں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اندر جا کر دیکھا چارپائی پر ہڈیوں کا وہ ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس نے فلسفہ کی دنیا کو مختصر عرصہ میں زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ مولانا کو دیکھ کر اور پھر بڑھاپے کی جنونی کیفیت میں بھی فلسفہ کا رنگ مجھے مرعوب کرنے کے لئے کافی ہو رہا تھا۔ میری نگاہیں مولانا کی کشادہ پیشانی اور تیزی سے ہلتے ہوئے لبوں پر جمی ہوئی تھیں اور میرا ذہن فرفر ماضی ادوار میں چلا گیا دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا کے خلاف ایک درباری حاشیہ نشین کی شکایت پر کہ مولانا کو فلسفہ کا ابتدائی بھی علوم نہیں نواب صدر یار جنگ عالیجاہ کے سامنے تقریر کر رہے ہیں کہ آپ کو ایک ایسے شخص کے فلسفی ہونے میں تذبذب ہے جس کے ہاتھ پر تو فلسفہ اسلام لانے پر مجبور ہوا ہے۔ یہ لیجئے "مذہب و عقلیات" آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ کتنا بڑا فلسفی ہے، پھر میرا ذہن فرفر مولانا اشرف علی تھانوی کے دربار میں پہونچا گیا دیکھتا ہوں کہ دنیا کا مانا ہوا عارف باللہ مذہب و عقلیات کو بڑے حیرت و استعجاب سے پڑھ رہا ہے پھر مولانا تھانوی کی زبان سے بیساختہ نکلا یہ کتاب تو اسلام کے لئے آہنی قلعہ ہے پھر مولانا تھانوی کی زبان سے یہ بھی سنا کہ عبدالباری تو بڑا عارف نکلا پھر میرا ذہن فرفر علامہ اقبال کے کاشانہ پر پہونچا گیا دیکھتا ہوں کہ علامہ کسی سے

کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص کلام اللہ کی روشنی میں جدید فلسفہ بہترین طریقے سے پڑھا سکتا ہے، بہرحال مجھے ہمارے اس فلسفی سے متاثر ہو کر آئے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ ہمارا یہ افلاطون اپنی آخری منزلیں طے کر چکا ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جس دن ہم آخری آرام گاہ کی طرف مولانا کو لئے ہوئے لکھنؤ کی سڑکوں سے گذر رہے تھے کہ ایک صاحب آگے بڑھتے ہیں اور مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ جناب یہ کس کا جنازہ ہے تو میں نے کہا کہ یہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا جنازہ ہے اس کے بعد وہ اپنی راہ لے لیتے ہیں ایک تو عدم واقفیت اور دوسری چیز یہ عدم الفت...... کچھ لوگوں کو تو پوری بے نیازی سے اپنے اپنے کاموں میں مشغول دیکھا فرض کفایہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم مروت کے کئی زینوں سے نیچے اتر جائیں۔ بہرحال جب کوئی قوم زوال کا شکار ہوتی ہے تو ہر پہلو سے گرنے لگتی ہے وقت تو یہ جھٹک دے رہا ہے کہ موروثی مسلمانوں کے دن قریب ختم ہیں اس چمن کی بہار کے لئے تاتاریوں جیسی کوئی نئی قوم ہی لائی جائے گی۔ اللھم احفظنا منھم

بہرحال ہمارا یہ افلاطون زندگی کے آخری ایام میں خامل الذکر رہا ہے جس قوم نے بوڑھے جوہری کی قدر نہیں کی۔ اب آئیے ہمارے اس عظیم فلسفی کے عہد گذشتہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں۔

ہمارا یہ فلسفی مقام گدیہ ضلع بارہ بنکی کے انصاری خاندان سے تعلق رکھنے والے حکیم عبدالخالق کا چشم و چراغ تھا آنکھیں کھلتے ہی باپ کی دوربیں نگاہوں نے فیصلہ کیا کہ اس ہیرے کی تراش خراش اچھے ڈھنگ سے کی جائے۔ مولانا عبدالنعیم نے باپ کی درخواست پر عبدالباری نام تجویز کیا۔ ہمارا دانش کدہ ندوۃ العلماء نے اس شبستان علم و ادب کو خوب سیراب کیا۔ علامہ شبلی کی دقیقہ رس نگاہوں نے تاڑ لیا کہ یہ مستقبل کا درخشاں ستارہ

ہے، لہٰذا اس گوہر نایاب کو وقت کا یہ صراف پوری جانفشانی سے جوہر آبدار بنانے لگا۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی کے کہ ہمارے اس فلسفی کا حال حدود رشک سے آگے بڑھنے لگا تھا دوران تعلیم باپ کی خواہش کے مطابق مولانا محمد ادریس نے اور مولانا محفوظ الرحمٰن نے بھی ہمارے اس فلسفی کے بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا یوں تو ہمارا یہ فلسفی اپنے عروج تک علم کے مختلف چشموں سے سیراب ہوتا رہا ہے لیکن علم کی بجلی میں سب سے زیادہ ہمارے اس افلاطون کو جن صرافوں نے تپایا تھا وہ درج ذیل ہیں:-

1. مولانا محمد ادریس نگرامیؒ
2. علامہ شبلی نعمانیؒ
3. مولانا شبیر علیؒ
4. مولانا حسین احمد مدنیؒ
5. مولانا فاروق چریا کوٹیؒ
6. مولانا حفیظ اللہؒ
7. مولانا اشرف علی تھانویؒ
8. مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی
9. مولانا محفوظ الرحمٰن
10. قاضی تلمذ حسین
11. محمد دین صاحب
12. مقبول احمد صاحب

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد سلطانپور ہائی اسکول پھر پونہ دکن کالج میں فارسی لکچرر بننے کا موقعہ ملا پھر عثمانیہ یونیورسٹی میں فلسفہ کا پروفیسر بنایا گیا جہاں "برکلے" "ہیوم" "جیمس" "ہیگل" "فرائڈ" "جی، ایف، اسٹوٹ" کی کتابیں ہمارے اس فلسفی کے ہاتھوں اردو کا پیکر لے کر سامنے آئیں۔ برکلے کا فلسفہ اور اس کی سوانح پر بھی ایک کتاب تیار ہو کر سامنے آئی۔ سب سے زیادہ ڈیکارٹ اور ڈیوڈ کی کتابوں نے ہمارے فلسفی کو متاثر کیا تھا پہلے پہلے یونانی کے فلسفی دیمقراطیس کے فلسفہ

تاریخ پر بھی ایک کتاب ترجمہ کے مراحل سے گزرتے گزرتے رہ گئی۔

تصنیف وتالیفات:-

1. مذہب و عقلیات
2. حدیقۂ نفسیات
3. تجدید معاشیات
4. تجدید تصوف و سلوک
5. تجدید تعلیم و تبلیغ
6. جامع المجددین
7. مبادی علم انسانی
8. فہم انسانی
9. مقالات برکلے
10. مقالات ڈیکارٹ

ہمارے فلسفی کے بارے میں مشاہیر کی آراء:-

1. اور لوگوں کے ہاتھوں پر فلسفی اسلام لاتے ہیں لیکن فلسفہ اس شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا ہے۔
(نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شروانی)

2. یہ کلام اللہ کی روشنی میں جدید فلسفہ بہترین طریقے سے پڑھا سکتا ہے۔
(علامہ اقبالؒ)

3. مذہب و عقلیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو فلسفہ میں کتنی گہرائی تک رسائی تھی۔
(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

4. سائنسدانوں اور فلسفیوں کو سجدہ سہو کرانے والا شخص۔
(منصور نعمانی ندوی)

5. دور جدید کا مسلم علم و فن کا مجسم۔
(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

6. فلسفی کہلانے کے مستحق تو مولانا عبدالباری ندوی ہیں۔
(ایک مبصر)

7. اسلامی تاریخ کا مستند مؤرخ۔
(نواب سلطان جہاں بیگم)

8. مولانا عبدالباریؒ کو ذہانت کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی وافر مقدار میں ملا تھا۔
(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

9. مذہب و عقلیات اسلام کے لئے ایک آہنی قلعہ ہے۔
(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

10. ہمارے اس دور مادیت والحاد میں اسلام غزالی کی سی ملاحیت رکھنے والی دو شخصیتیں تھیں، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی۔
(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

(بقیہ صفحہ پر)